اہلِ سیر کے ہاں متفق علیہ واقعاتِ سیرت سے فقہی استدلال

(امام شافعیؒ کی کتاب "الأم" کا تحلیلی مطالعہ)

Juristic Reasoning from Widely Accepted Events of the Prophetic Sīrah in the Narrations of the Scholars of Sīrah and Maghāzī (An Analytical Study of Imam al-Shāfiʿī's al-Umm)

Hafiz Abdur Rehman
PhD Scholar, Islamic Studies,
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: abdurrehmanhafiz2@gmail.com
Shah Moeen Ud Din Hashimi
Chairman, Department of Seerat Studies,
Faculty of Arabic and Islamic Studies, AIOU, Islamabad
Email: moeen.uddin@aiou.edu.pk

Abstract

This study examines the role of established events of the Prophetic Sīrah in juristic reasoning, focusing on Imam al-Shāfiʿī's methodology in *al-Umm*. It highlights the evidentiary value of well-established Sīrah and Maghāzī reports concerning the Prophet's ﷺ sayings, actions, and practical conduct.

The study analyzes three examples from *al-Umm*: the prohibition of bequeathing to an heir, the continuation of marriage when one spouse embraces Islam before the other, and the share of a cavalryman possessing multiple horses. Imam al-Shāfiʿī supports these rulings through established reports, including those related to the Conquest of Makkah and the accounts of Abū Sufyān, Ṣafwān ibn Umayyah, and ʿIkrimah ibn Abī Jahl.

It further demonstrates his comparative methodology in evaluating juristic opinions and evidences before preferring the stronger position. The study also shows how the absence of a report may, in certain circumstances, indicate non-occurrence, while consistent transmission strengthens juristic inference. It concludes that established Sīrah events are an important source for understanding legal texts and their practical application.

determination of juristic rulings.

Keywords: Prophetic Sīrah, Juristic Reasoning, Imam al-Shāfiʿī,al-Umm, Maghāzī

تعارف

سیرتِ رسول ﷺ اسلامی علوم میں ایک بنیادی اور اہم موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ، آپ ﷺ کے اقوال و افعال، غزوات و سرایا اور آپ ﷺ کے عہد کے مختلف واقعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ سیرتِ نبوی ﷺ بھی اسلامی احکام، ان کے پس منظر اور عملی تطبیق کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر فقہاء اور محدثین نے مختلف شرعی مسائل کے اثبات اور ان کی توضیح میں سیرت کے واقعات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

سِیرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے حروف اصلیہ س ی ر ،ہیں۔ لغت میں اس کے معنٰی چلنے اور جانے کے ہیں۔ ابنِ منظور نے اس کا معنی چلنا لکھا ہے[1]۔

اصطلاح میں سیرتِ نبوی ﷺ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے اقوال، افعال، معاملات اور حالاتِ زندگی کا وہ جامع مطالعہ ہے جس کے ذریعے آپ ﷺ کی عملی زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھا جاتا ہے۔

عرف عام میں سیرت سے کسی کی زندگی کے واقعات اور زندگی کی تاریخ مراد لی جاتی ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے "قرأت سیرۃ فلان" (میں نے فلاں آدمی کی سوانح اور تاریخ پڑھی)۔ سیرت کی جمع سیر آتی ہے۔ فقہاء کے ہاں سِیَر کا لفظ مغازی اور جہاد کیلئے بولا جاتا ہے۔

سیرت کا لفظ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ قریب قریب مخصوص ہو گیا ہے اور دنیا کی تمام زبانوں میں سیرت کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے نبی پاک ﷺ کی پوری زندگی کا مطالعہ مراد ہوتا ہے۔

فقہ السیرۃ سے مراد سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا گہرا فہم اور ادراک حاصل کرنا ہے۔ ''فقہ'' کے لغوی معنی پختہ علم اور گہری سمجھ کے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ[2]۔ یعنی ''اے اللہ! ابن عباسؓ کو دین کا پختہ فہم عطا فرما۔'' اس مفہوم کی روشنی میں فقہ السیرۃ میں سیرت کے فقہی، کلامی، ادبی، اجتماعی اور تاریخی پہلوؤں کے ساتھ واقعاتِ سیرت کی تحلیل و توضیح بھی شامل ہے۔ متقدمین کی کتبِ سیرت، خصوصاً طبری، ابن ہشام اور ابن کثیر کی تصانیف میں ان مختلف پہلوؤں سے بحث ملتی ہے۔

فقہ السیرۃ کا ایک اہم پہلو سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات سے شرعی احکام کا استنباط ہے، جس کی نمایاں مثال واقدی کی ''المغازی''، امام بخاریؒ کی ''الجامع الصحیح''، سہیلیؒ کی ''الروض الأنف'' اور ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' میں ملتی

ہے۔ ان تصانیف میں سیرت کے واقعات کو فقہی مسائل کے فہم، احکام کی تطبیق اور بعض اوقات ناسخ و منسوخ کی تعیین کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اس تحقیق کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ یہ سیرتِ نبوی ﷺ کو محض تاریخی واقعات کے مجموعے کے بجائے فقہی استدلال کے ایک اہم معاون ذریعے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ قرآن و سنت بنیادی مصادرِ شریعت ہیں، جبکہ مستند واقعاتِ سیرت ان کے فہم، توضیح اور عملی تطبیق میں معاون ہوتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے منہج کے مطالعے سے سیرت سے فقہی استدلال کے بعض اہم اصول سامنے آتے ہیں، مثلاً اہلِ مغازی کی عمومی و معروف نقل، واقعے کا متفق علیہ ہونا، رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل یا عملی تعامل کا ثابت ہونا، سیاق و قرائن کی رعایت اور بعض مواقع پر اہم واقعے کے عدمِ ذکر کو قرینے کے طور پر ملحوظ رکھنا۔ ان اصولوں کی وضاحت سیرتی واقعات سے فقہی استدلال کو زیادہ منضبط اور محتاط بنانے میں معاون ہے۔

مزید برآں، یہ تحقیق سیرتِ نبوی ﷺ کی عملی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہے، تاکہ سیرت کے مستند واقعات کو اسلامی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے فہم اور عملی رہنمائی کے تناظر میں دیکھا جاسکے۔

واقعاتِ سیرت اور فہمِ قرآن و سنت

قرآن و سنت کے فہم میں سیرتِ نبوی ﷺ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ قرآن کی عملی تفسیر اور شریعت کی تطبیقی تعبیر ہے۔ نصوصِ شرعیہ کے صحیح مفہوم کے لیے اسبابِ نزول وورود، واقعات کا پس منظر، سیاق و سباق اور دیگر قرائن کا علم ضروری ہے، جو سیرت کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے سیرتِ نبوی ﷺ اور فقہی استنباط کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور عملی واقعات عبادات، معاملات، جہاد، صلح، معاہدات، قضاء اور معاشرت سمیت متعدد فقہی ابواب میں احکام کے فہم، توضیح اور استنباط میں معاون رہے ہیں۔ تاہم کسی واقعۂ سیرت سے استدلال کی حیثیت اس کے ثبوت، دلالت، سیاق و سباق اور دیگر شرعی دلائل کے ساتھ اس کے تعلق کی روشنی میں متعین ہوتی ہے۔

فقہی استدلال میں متفق علیہ واقعاتِ سیرت: مفہوم اور مقام

متفق علیہ واقعات سے مراد سیرت و مغازی کے وہ معروف واقعات ہیں جن پر اہلِ سیر کے ہاں عمومی اتفاق پایا جاتا ہو اور ان کے مقابل کوئی معتبر، صریح اور ثابت اختلافی روایت منقول نہ ہو۔ ایسے واقعات کا تعین محض شہرت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ معتبر مصادرِ سیرت کے تقابلی مطالعے اور اہلِ سیر کے اتفاق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

فقہی استدلال میں ایسے واقعات کو اہم مقام حاصل ہے، کیونکہ ان کے ثبوت اور وقوع کے بارے میں اہلِ سیر کا عمومی اتفاق انہیں ایک مضبوط استدلالی قرینہ بناتا ہے۔ امام شافعیؒ بھی بعض فقہی مسائل میں ایسے واقعات سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کے ذریعے شرعی نصوص کی توضیح، تطبیق اور فقہی حکم کے تعین میں مدد لیتے ہیں۔ تاہم ان سے استدلال کرتے ہوئے واقعے کے ثبوت، دلالت اور دیگر شرعی دلائل کے ساتھ اس کے تعلق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

تشریع و فقہی استنباط میں مستند واقعاتِ سیرت کی اہمیت

اسلامی فقہ کی علمی روایت میں سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات کو فقہی استدلال میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ سیرت کے مستند واقعات بعض اوقات قرآن و سنت کے مجمل یا عام حکم کی تعیین، توضیح اور عملی تطبیق میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔

ائمہٴ اربعہ اور دیگر کبار فقہاء نے سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات کو اپنے فقہی استدلال میں پیشِ نظر رکھا۔ مختلف فقہی مسائل میں ان واقعات سے کبھی مستقل دلیل کے طور پر اور کبھی دیگر شرعی دلائل کی توضیح، تعیین یا تائید کے لیے استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ وصیت کے حکم کے نسخ، زوجین کے درمیان تفریق، اور غزوات میں متعدد گھوڑوں کی موجودگی کے باوجود ایک ہی گھوڑے کے لیے مقررہ حصے جیسے مسائل میں واقعاتِ سیرت سے استدلال ملتا ہے۔

اسی علمی روایت میں امام شافعیؒ کی "الأم" خصوصی اہمیت رکھتی ہے، جس میں متعدد فقہی مسائل کے ضمن میں واقعاتِ سیرت کو دلیل، شاہد یا مؤید کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ "الأم" میں موجود ان سیرتی استدلالات کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ امام شافعیؒ نے واقعاتِ سیرت سے فقہی استدلال کے لیے کن اصولوں کو ملحوظ رکھا اور مختلف فقہی مسائل میں ان کا اطلاق کس انداز سے کیا۔

وارث کے لیے وصیت کی ممانعت: امام شافعیؒ کے منہج استدلال میں سیرت کا کردار

امام شافعیؒ نے وارث کے لیے وصیت کی ممانعت اور آیاتِ وصیت کے نسخ پر استدلال کرتے ہوئے قرآن، حدیث، واقعاتِ سیرت اور اجماعِ فقہاء سے متعدد جہات سے استدلال کیا ہے اگرچہ امام شافعیؒ نے مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے، لیکن ان کے استدلال کی بنیاد واقعۂ سیرت ہی ہے، جبکہ دیگر دلائل اسی واقعے کی تائید اور وضاحت کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستند واقعۂ سیرت نصوصِ شرعیہ کے مفہوم اور ان کے عملی اطلاق کی تعیین میں مؤثر استدلالی حیثیت رکھتا ہے۔

آیاتِ وصیت اور آیاتِ میراث کا باہمی تعلق

وصیت کا حکم قرآنِ کریم میں ابتدائی طور پر نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا، اور جمہور فقہاء کے نزدیک ابتدائی دور میں یہ محض مستحب نہیں بلکہ واجب تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ[3]۔ "تم پر یہ حکم فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آ جائے اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو تو وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرے۔ یہ حکم اہلِ تقویٰ پر لازم قرار دیا گیا ہے"۔

میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے وصیت کا حکم مشروع تھا، البتہ اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا اُس وقت وصیت واجب تھی یا صرف مندوب و مستحب۔ امام الکیا الہراسی[4] اس مسئلہ میں دونوں آراء کو نقل کرتے ہیں، پھر اپنا راجح موقف پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی، آپؒ اس موقف کے اثبات کے لیے اس آیت کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے وصیت کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'كُتِبَ عَلَيْكُمْ' وجوب پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں "كُتِبَ" کا لفظ فرض اور لازم ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت کے آخر میں "حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" کے الفاظ بھی وجوب کی تاکید کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت محض مستحب عمل نہیں بلکہ ایک لازم حکم تھا۔

تاہم مفسر اس مسئلہ میں اہلِ علم کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک وصیت کا یہ حکم وجوب کے بجائے استحباب پر محمول تھا، لیکن امام الکیا الہراسی کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی[5]۔

اسی طرح ازواج کے حق میں وصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ[6]۔ "اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک نان و نفقہ دیا جائے اور اس عرصے میں انہیں گھر سے نہ نکالا جائے۔ البتہ اگر وہ خود اپنی مرضی سے گھر چھوڑ دیں، تو وہ اپنے بارے میں معروف طریقے سے جو فیصلہ کریں، اس پر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے"۔

بعد ازاں قرآن کریم میں ورثاء کے حصے مقرر فرماتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ[7]۔ "مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں۔"

آیاتِ میراث کے نزول کے بعد وصیت کے سابقہ حکم کے بارے میں فقہی طور پر دو احتمالات پیدا ہوئے۔ پہلا احتمال یہ تھا کہ آیاتِ میراث نے آیاتِ وصیت کو منسوخ کر دیا ہو، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام مستحق ورثاء کے حصے متعین فرما دیے تو وصیت کے ذریعے ان کے حقوق متعین کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ دوسرا احتمال یہ تھا کہ آیاتِ میراث نے آیاتِ وصیت کو منسوخ نہ کیا ہو، بلکہ دونوں احکام اپنی اپنی جگہ برقرار ہوں، یعنی ورثاء کو ان کے مقررہ حصے بھی دیے جائیں اور وصیت کا حکم بھی باقی رہے۔

امام شافعیؒ کے اصولی منہج کے مطابق محض احتمال کی بنیاد پر نسخ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، جب تک اس کے لیے کوئی واضح اور معتبر دلیل موجود نہ ہو۔ اس لیے صرف آیاتِ میراث کے نزول سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیاتِ وصیت منسوخ ہو گئی ہیں، بلکہ دونوں آیات کے درمیان تطبیق کا امکان موجود رہتا ہے۔

قرآنی حکم کی تعیین کے لیے سنت کی طرف رجوع

امام شافعیؒ کے نزدیک جب قرآن کریم کے کسی حکم کی تعیین یا اس کے باہمی تعلق کی وضاحت قرآن ہی سے قطعی طور پر نہ ہو سکے تو سنتِ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل قرآن کریم کے مجمل احکام کی تفسیر اور ان کے صحیح مفہوم کی وضاحت کرتا ہے۔

چنانچہ آیاتِ وصیت اور آیاتِ میراث کے تعلق کے بارے میں بھی سنتِ نبوی کی طرف رجوع کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا ورثاء کے لیے وصیت کا حکم باقی ہے یا آیاتِ میراث کے نزول کے بعد اس میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

حدیث "لا وصية لوارث" کا سندی جائزہ

اس مسئلے میں حدیث «لا وصية لوارث» بھی منقول ہے، تاہم امام شافعیؒ نے اس سلسلے میں مروی روایت کا سندی جائزہ لیا اور اس روایت کو مستقل بنیاد نہیں بنایا جس میں ضعف یا انقطاع پایا جاتا تھا۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ بعض اہلِ شام نے ایسی روایت نقل کی ہے جس کے بعض راوی مجہول ہیں، اس لیے وہ اہلِ حدیث کے معیار پر قابلِ اثبات نہیں، چنانچہ اس نوع کی روایت محدثین کے ہاں نبی کریم ﷺ سے منقطع[8] سند کے ساتھ منقول ہے۔ اس سلسلے میں حدیث کی روایت یوں پیش کی جاتی ہے۔

أخْبَرنا سفيان عن سليمان الأحْوَل عن مجاهد أنَّ رسولَ الله قال: لا وصية لوارث»۔: «أخْبَرنا سفيان عن سليمان الأحْوَل عن مجاهد أنَّ رسولَ الله قال: لا وصية لوارث[9]۔" ہمیں سفیان نے سلیمان الاحول سے، انہوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں"۔

اگرچہ اس روایت میں ارسال پایا جاتا ہے، تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مضمون امام شافعیؒ کے استدلال میں موجود تھا۔ لیکن آپؒ نے اپنے استدلال کی بنیاد منقطع روایت پر نہیں رکھی، بلکہ اہلِ مغازی کی متفقہ و عمومی نقل، یعنی واقعۂ سیرت کو اصل بنیاد بنایا۔ اہلِ مغازی کی عمومی نقل اور اہلِ علم کے اتفاق کو منقطع روایت سے زیادہ قوی قرار دیتے ہوئے آپؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ احکامِ میراث نے والدین اور بیوی کے لیے وصیت کے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں مستند واقعۂ سیرت فقہی حکم کے اثبات میں بنیادی استدلالی حیثیت رکھتا ہے[10]۔

واقعۂ فتحِ مکہ اور اہلِ مغازی کی روایت سے استدلال

امام شافعیؒ نے اس مسئلے میں اہلِ مغازی کی عمومی روایت کو بنیاد بنایا، وہ فرماتے ہیں۔

"وَوَجَدْنَا أَهْلَ الْفُتْيَا وَمَنْ حَفِظْنَا عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْمَغَازِي مِنْ قُرَيْشٍ وَغَيْرِهِمْ لَا يَخْتَلِفُونَ فِي أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ عَامَ الْفَتْحِ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، وَلَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ كَافِرًا، وَيَأْثُرُونَهُ عَنْ مَنْ حَفِظُوا عَنْهُ مِمَّنْ لَقُوا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْمَغَازِي، فَكَانَ هَذَا نَقْلَ عَامَّةٍ عَنْ عَامَّةٍ، وَكَانَ أَقْوَى فِي بَعْضِ الْأَمْرِ مِنْ نَقْلِ وَاحِدٍ عَنْ وَاحِدٍ، وَكَذَلِكَ وَجَدْنَا أَهْلَ الْعِلْمِ عَلَيْهِ مُجْتَمِعِينَ"[11]-

امام شافعیؒ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ فتویٰ اور جن اہلِ علم سے انہوں نے مغازی کے مسائل حاصل کیے، خواہ وہ قریش میں سے تھے یا دیگر لوگوں میں سے، ان کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ وارث کے لیے وصیت نہیں۔ وہ اس روایت کو ان اہلِ علمِ مغازی سے بھی نقل کرتے ہیں جن سے ان کی ملاقات ہوئی تھی اور جن سے یہ روایت محفوظ کی گئی تھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ایک عام جماعت کا دوسری عام جماعت سے نقل کرنا ہے، جو بعض امور میں ایک فرد کی دوسرے فرد سے روایت کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح انہوں نے اہلِ علم کو بھی اس حکم پر متفق پایا۔ اس طرح اہلِ مغازی کی مسلسل نقل اور اہلِ علم کی قبولیت نے اس روایت کے ثبوت کو مزید تقویت فراہم کی، اور امام شافعیؒ نے اسی بنیاد پر حدیثِ « لا وصیۃ لوارث » کے اثبات کے لیے اہلِ مغازی کے اتفاق کو بطور دلیل پیش کیا۔

وارث کے حق میں وصیت کے عدمِ جواز کے سلسلے میں عہدِ نبوی ﷺ میں ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ حضرت برۃ بنت ابی تجراۃؓ بیان کرتی ہیں کہ فتحِ مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر تشریف

لائے، اہلِ مکہ کو عام معافی عطا فرمائی اور متعدد اہم شرعی احکام بیان فرمائے، جن میں مکہ مکرمہ کی حرمت اور جاہلیت کی باطل رسومات کا خاتمہ شامل تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ کی حرمت بیان کرتے ہوئے اس کے شکار، درختوں اور پودوں کی حفاظت کا حکم فرمایا، البتہ حضرت عباسؓ کی درخواست پر گھروں اور قبروں کی ضرورت کے پیشِ نظر اذخر کی اجازت دی۔[12] گھاس کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اسی خطبے کے اختتام پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی[13]۔

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آیاتِ میراث کے نزول سے پہلے وصیت کرنا واجب تھا، لیکن جب قرآنِ کریم نے ورثاء کے حصے مقرر کر دیے تو یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ فقہاء کا اجماعی موقف ہے کہ کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں، کیونکہ شریعت نے اس کا حق میراث خود متعین کر دیا ہے[14]۔

امام الکیاالہراسی نے وصیت کے نسخ کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ انسان فطری طور پر بعض رشتہ داروں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وصیت میں کسی کو زیادہ اور کسی کو کم ملنے کا امکان تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود عدل کے ساتھ میراث کے حصے مقرر فرما دیے[15]۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے وارث کے لیے وصیت کی ممانعت کے مسئلے میں قرآن، سنت، اجماع اور واقعاتِ سیرت سے کثیر الجہتی استدلال کیا، تاہم اہلِ مغازی کی عمومی و متفقہ نقل، بالخصوص واقعۂ فتحِ مکہ، کو بنیادی حیثیت دی۔ انہوں نے منقطع روایت کے بجائے واقعۂ سیرت کو مرکزی دلیل بنایا اور دیگر دلائل کو مؤید و موضح کے طور پر پیش کیا۔ اس سے مستند واقعاتِ سیرت کی مؤثر استدلالی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہاء کے نزدیک وارث کے لیے وصیت کا وجوب منسوخ ہے، البتہ شرعی حدود کے ساتھ وصیت بطورِ استحباب جائز ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے سے نکاح کا حکم: امام شافعیؒ کا سیرتی استدلال

اسلام کے ابتدائی دور میں جب غیر مسلم افراد اسلام قبول کرنے لگے تو بعض نئے فقہی مسائل پیدا ہوئے، جن میں ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو ان کے سابقہ نکاح کی کیا حیثیت ہوگی؟ آیا محض ایک فریق کے مسلمان ہونے سے نکاح ختم ہو جائے گا یا اسے برقرار رکھا جائے گا؟

مذکورہ مسئلے میں امام شافعیؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر دوسرا فریق عدت کے اندر اسلام لے آئے تو ان کا سابقہ نکاح برقرار رہے گا۔ اس موقف کی دلیل کے بارے میں راوی نے امام شافعیؒ سے دریافت کیا اور پوچھا کہ انہوں نے اس مسئلے میں کس دلیل پر اعتماد کیا ہے؟ امام شافعیؒ نے جواب میں فرمایا: عَلَى مَا لَا أَعْلَمُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْمَغَازِي فِي هَذَا اخْتِلَافًا مِنْ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَسْلَمَ قَبْلَ امْرَأَتِهِ وَأَنَّ امْرَأَةَ صَفْوَانَ وَعِكْرِمَةَ أَسْلَمَتَا قَبْلَهُمَا ثُمَّ

اسْتَقَرُّوا عَلَى النِّكَاحِ وَذَلِكَ أَنَّ آخِرَهُمْ إِسْلَامًا أَسْلَمَ قَبْلَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْمَرْأَةِ وَفِيهِ أَحَادِيثُ لَا يَحْضُرُنِي ذِكْرُهَا وَقَدْ حَضَرَنِي مِنْهَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ وَذَلِكَ أَنَّ مَالِكًا أَخْبَرَنَا عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ هَرَبَ مِنْ الْإِسْلَامِ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَشَهِدَ حُنَيْنًا وَالطَّائِفَ مُشْرِكًا وَامْرَأَتُهُ مُسْلِمَةٌ وَاسْتَقَرَّا عَلَى النِّكَاحِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَكَانَ بَيْنَ إِسْلَامِ صَفْوَانَ وَامْرَأَتِهِ نَحْوٌ مِنْ شَهْرٍ[16]۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اہلِ مغازی میں سے کسی کے ہاں اس بات میں اختلاف نہیں تھا کہ ابوسفیانؓ اپنی اہلیہ سے پہلے اسلام لائے، جبکہ صفوانؓ اور عکرمہؓ کی بیویاں ان دونوں سے پہلے اسلام لے آئی تھیں، پھر بھی ان کے سابقہ نکاح برقرار رہے۔

چنانچہ امام واقدی حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان بن حربؓ، حضرت حکیم بن حزامؓ اور حضرت مخرمہ بن نوفلؓ نے اپنی بیویوں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں جب وہ عدت کے دوران مسلمان ہو کر اپنی بیویوں کے پاس واپس آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سابقہ نکاح ہی کو برقرار رکھا۔ اسی طرح حضرت صفوان بن امیہؓ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے پہلے اسلام قبول کیا، پھر جب ان کے شوہر بھی عدت کے اندر اسلام لے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سابقہ نکاح کو برقرار رکھا اور تجدیدِ نکاح کا حکم نہیں دیا[17]۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مذکورہ مسئلے کے بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں، تاہم اس وقت وہ ان کو مستحضر نہیں، البتہ ان میں سے ایک مرسل[18] حدیث انہیں یاد ہے، جسے وہ پیش کرتے ہیں۔

أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: إِنَّ مَالِكًا أَخْبَرَنَا وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ وَأَبِي زَكَرِيَّا قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ «صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ هَرَبَ مِنَ الْإِسْلَامِ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَشَهِدَ حُنَيْنًا وَالطَّائِفَ مُشْرِكًا وَامْرَأَتُهُ مَسْلِمَةٌ، وَاسْتَقَرَّا عَلَى النِّكَاحِ» فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ بَيْنَ إِسْلَامِ صَفْوَانَ وَامْرَأَتِهِ نَحْوٌ مِنْ شَهْرٍ[19]۔ "امام مالکؒ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ صفوان بن امیہ اسلام سے فرار ہو گئے، پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غزوۂ حنین اور طائف میں مشرک ہونے کی حالت میں شریک ہوئے، جبکہ ان کی اہلیہ مسلمان تھیں، اس کے باوجود دونوں کا نکاح برقرار رہا۔ ابن شہاب کے مطابق صفوانؓ کے اسلام لانے اور ان کی اہلیہ کے اسلام لانے کے درمیان تقریباً ایک ماہ کا وقفہ تھا"۔

اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے منہج استدلال کی بنیاد عملِ نبوی ﷺ اور سیرت و مغازی کے معروف واقعات پر ہے۔ جب آپؒ سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر زوجین میں سے ایک اسلام قبول کرلے اور دوسرا عدت کے اندر اسلام لائے تو ان کے سابقہ نکاح کا کیا حکم ہو گا، تو آپؒ نے محض ایک نظری اصول پیش کرنے کے بجائے اہلِ

مغازی کے ہاں معروف واقعات کو اپنے استدلال کی بنیاد بنایا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زوجین میں سے ایک شخص دوسرے سے پہلے اسلام قبول کرے اور دوسرا عدت کے اندر اسلام لے آئے تو سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابوسفیانؓ و حضرت ہندؓ، حضرت صفوان بن امیہؓ اور ان کی اہلیہ، نیز حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ اور ان کی اہلیہ کے واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ امام شافعیؒ کا ان واقعات سے استدلال اس امر کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی واقعے میں کیا گیا عملی تعامل شرعی احکام کے فہم و استنباط میں معتبر حیثیت رکھتا ہے، اور مستند سیرتی واقعات نصوصِ شرعیہ کی عملی تطبیق اور فقہی حکم کی تعیین میں مؤثر استدلالی قرینہ بن سکتے ہیں۔

حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت ہندؓ کا واقعہ

فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان بن حربؓ نے مرّ الظہران میں اسلام قبول کیا، جبکہ ان کی اہلیہ حضرت ہند بنت عتبہؓ بعد میں مسلمان ہوئیں۔ امام شافعیؒ کے مطابق حضرت ہندؓ نے عدت کے اندر اسلام قبول کیا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سابقہ نکاح کو برقرار رکھا۔ امام شافعیؒ اس واقعے سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر شوہر کے اسلام لاتے ہی نکاح ختم ہو جاتا تو حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت ہندؓ کا نکاح برقرار نہ رہتا؛ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے لیے عدت کے اندر اسلام قبول کرنے کی صورت میں سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے[20]۔

حضرت صفوان بن امیہؓ اور ان کی اہلیہ کا واقعہ

حضرت صفوان بن امیہؓ کی اہلیہ نے فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا، جبکہ حضرت صفوانؓ اسلام سے گریز کرتے ہوئے مکہ سے نکل گئے۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے انہیں امان دی اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ واپس آئے اور کچھ عرصہ اسلام قبول کیے بغیر مسلمانوں کے ساتھ رہے۔ غزوۂ حنین اور طائف کے موقع پر بھی وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، جبکہ ان کی اہلیہ مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد حضرت صفوانؓ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی، بلکہ ان کی اہلیہ کو سابقہ نکاح ہی پر برقرار رکھا۔ امام مالک کی روایت میں ابن شہاب کے حوالے سے ان دونوں کے اسلام قبول کرنے کے درمیان تقریباً ایک یا دو ماہ کی مدت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

یہ واقعہ اس مسئلے میں خاص اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں بیوی کے اسلام قبول کرنے اور شوہر کے اسلام لانے کے درمیان واضح زمانی فاصلہ موجود تھا، اس کے باوجود سابقہ نکاح برقرار رکھا گیا۔ امام شافعیؒ نے اسی واقعے کو اس موقف کی تائید میں پیش کیا ہے کہ اصل اعتبار اس بات کا ہے کہ دوسرے فریق کا اسلام عدت کے اندر واقع ہوا یا نہیں[21]۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ اور ان کی اہلیہ کا واقعہ

اسی طرح حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ کی اہلیہ نے فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، جبکہ حضرت عکرمہؓ مکہ سے نکل کر یمن کی طرف چلے گئے۔ بعد ازاں وہ واپس آئے اور اسلام قبول کیا تو ان کی اہلیہ کو بھی سابقہ نکاح پر برقرار رکھا گیا[22]۔

امام شافعیؒ نے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت عکرمہؓ اور حضرت صفوانؓ تینوں کے واقعات کو اس مسئلے میں بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔ ان واقعات سے آپؒ نے یہ استدلال کیا کہ زوجین میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرے کے لیے ایک مدت باقی رہتی ہے، جس کے اندر اسلام قبول کرنے کی صورت میں سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے؛ لہٰذا محض ایک فریق کے پہلے اسلام قبول کرنے سے فوراً تفریق لازم نہیں آتی۔

یہاں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے ان واقعات کو محض تائیدی شواہد کے طور پر نہیں، بلکہ فقہی حکم کی تعیین کے لیے بنیادی استدلال کے طور پر پیش کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ مغازی کے ہاں معروف اور مستند واقعاتِ سیرت، خصوصاً جب ان میں رسول اللہ ﷺ کا عملی تعامل ثابت ہو، فقہی استدلال میں مؤثر حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہی واقعات کی روشنی میں امام شافعیؒ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر دوسرا فریق عدت کے اندر اسلام قبول کر لے تو سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے اور نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دیگر فقہاء میں سے امام مالکؒ کے ہاں اگر بیوی اسلام قبول کر لے جبکہ شوہر کفر پر قائم ہو، تو اس کا حکم یہی ہے۔ البتہ اگر شوہر اسلام قبول کر لے اور بیوی غیر مسلم ہو، تو پہلے اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو نکاح برقرار رہے گا، اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو زوجین کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی[23]۔

احناف کے نزدیک دارالاسلام میں زوجین میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر بیوی مسلمان ہو اور شوہر کفر پر قائم رہے تو اسے اسلام کی دعوت دی جائے گی؛ اسلام قبول کر لے تو نکاح برقرار رہے گا، ورنہ قاضی تفریق کر دے گا، جو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک طلاق شمار ہو گی۔ اگر شوہر مسلمان ہو تو کتابیہ بیوی کا نکاح برقرار رہے گا، جبکہ غیر کتابیہ بیوی اسلام قبول نہ کرے تو تفریق ہو گی، جو احناف کے نزدیک فسخِ نکاح ہے، طلاق نہیں۔

دارالحرب میں زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں فوری تفریق نہیں ہوتی، بلکہ معاملہ تین حیض تک موقوف رہتا ہے۔ اس مدت میں دوسرا فریق مسلمان نہ ہو تو تین حیض مکمل ہونے پر نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ دارالحرب میں قاضیِ اسلام کو تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا[24]۔

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ نے زوجین میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں نکاح کے بقاء کے مسئلے میں اہلِ مغازی کے معروف واقعاتِ سیرت، بالخصوص ابو سفیانؓ، صفوانؓ اور عکرمہؓ کے واقعات، کو بنیادی استدلال بنایا۔ ان واقعات سے آپؒ نے یہ حکم اخذ کیا کہ اگر دوسرا فریق عدت کے اندر اسلام قبول کرلے تو سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے۔ اس سے امام شافعیؒ کے منہج میں مستند واقعاتِ سیرت کی بنیادی استدلالی حیثیت واضح ہوتی ہے، جبکہ دیگر روایات و دلائل معاون اور مؤید حیثیت رکھتے ہیں۔

متعدد گھوڑوں کے حصصِ غنیمت: امام شافعیؒ کے ہاں سیرتی روایات کی ترجیح

مالِ غنیمت میں گھڑ سوار مجاہد کے حصے کا مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔ اس اختلاف کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی مجاہد ایک سے زائد گھوڑوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو تو کیا اسے ہر گھوڑے کے اعتبار سے الگ الگ حصہ دیا جائے گا یا صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا؟ اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال و دلائل حسبِ ذیل ہیں۔

امام اوزاعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا موقف

امام اوزاعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر کوئی مجاہد جنگ میں دو گھوڑوں کے ساتھ شریک ہو تو اسے دونوں گھوڑوں کے اعتبار سے دو الگ حصے دیے جائیں گے، البتہ دو سے زائد گھوڑوں کی صورت میں اضافی حصہ نہیں دیا جائے گا۔

یہ حضرات اپنے موقف کی دلیل کے طور پر یہ روایت پیش کرتے ہیں۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنِي صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ: أَنَّ الزُّبَيْرَ حَضَرَ خَيْبَرَ بِفَرَسَيْنِ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَمْسَةَ أَسْهُمٍ[25]۔

"امام مکحول روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر بن عوامؓ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں غنیمت میں مجموعی طور پر پانچ حصے عطا فرمائے، ایک حصہ ان کی ذات کے لیے اور چار حصے ان کے دو گھوڑوں کے لیے، یعنی ہر گھوڑے کے بدلے دو حصے مقرر کیے گئے"۔

امام شافعیؒ کا موقف

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ نے اپنے اساتذہ اور اصحاب میں سے جن اہلِ علم سے یہ مسئلہ سنا ہے، ان سب کا یہی موقف محفوظ پایا ہے کہ مجاہد کو مالِ غنیمت میں صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، اور آپؒ بھی اسی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ آپؒ نے بھی پہلے اپنے موقف کی تائید میں حضرت ہشام بن عروہ کی ایک روایت پیش کی ہے۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ رضي الله عنه كَانَ يَضْرِبُ فِي الْمَغْنَمِ بِأَرْبَعَةِ أَسْهُمٍ، سَهْمٍ لَهُ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ، وَسَهْمٍ فِي ذِي الْقُرْبَى. سَهْمُ أُمِّهِ صَفِيَّةَ يَوْمَ خَيْبَرَ[26]۔

ہشام بن عروہ یحییٰ بن عباد سے اور وہ بن عبد اللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ زبیر بن عوامؓ غنیمت میں چار حصے لیتے تھے: ایک حصہ اپنے لیے، دو حصے اپنے گھوڑے کے لیے، اور ایک حصہ ذوی القربی میں سے ایک شخص کے لیے۔ یہ حصہ ان کی والدہ صفیہؓ کا تھا، جو غزوۂ خیبر کے دن مقرر کیا گیا تھا۔

حدیثی روایات کا جائزہ

امام شافعیؒ ہشام بن عروہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو واقعی دو گھوڑوں کے حصے ملے ہوتے تو ہشام بن عروہ، جو اپنے چچا کی روایات کے محافظ تھے، اسے ضرور نقل کرتے۔ اس لیے مکحول کی روایت کے مقابل ہشام بن عروہ کی روایت زیادہ قابلِ اعتماد قرینہ رکھتی ہے، اگرچہ وہ بھی مقطوع ہے۔ ہے جس طرح مکحول کی روایت منقطع ہے، لہٰذا کوئی بھی روایت بذاتِ خود حجت نہیں بن سکتی اور نہ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی واضح اور علمی بنیاد باقی نہیں رہتی۔[27]

امام شافعیؒ علمِ فقہ و اجتہاد کے ساتھ علمِ حدیث میں بھی ممتاز مقام رکھتے تھے، اسی لیے وہ احادیث کی اسانید اور ان کی صحت و ضعف کا باریک بینی سے جائزہ لیتے تھے۔ زیرِ بحث مسئلے میں اگرچہ انہوں نے ہشام کی روایت کا بھی ذکر کیا، تاہم ان کا اصل اعتماد واقعۂ سیرت پر ہے۔

واقعۂ سیرت سے استدلال

امام شافعیؒ نے اہلِ مغازی کی روایات اور معروف واقعات کا جائزہ لینے کے بعد دو اہم نکات اخذ کیے۔ اولاً، اہلِ مغازی سے ایسی کوئی روایت منقول نہیں جس سے دو گھوڑوں کی بنا پر دو حصص کا ثبوت ہوتا ہو، حالانکہ ایسے نمایاں واقعے کے نقل کیے جانے کی توقع تھی۔ ثانیاً، اہلِ سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس تین گھوڑے، السَّکب، الظَّرِب اور المرتجز، تھے، لیکن آپ ﷺ نے صرف ایک گھوڑے کا حصہ لیا۔ یوں یہ معروف سیرتی واقعہ متعدد گھوڑوں کے لیے متعدد حصص کے موقف کے برعکس دلیل فراہم کرتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: وَلَكِنَّا ذَهَبْنَا إِلَى أَهْلِ الْمَغَازِي فَقُلْنَا إِنَّهُمْ لَمْ يَرْوُوا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ، وَلَمْ يَخْتَلِفُوا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَضَرَ خَيْبَرَ بِثَلَاثَةِ أَفْرَاسٍ لِنَفْسِهِ، السَّكْبِ، وَالظَّرِبِ، وَالْمُرْتَجِزِ، وَلَمْ يَأْخُذْ مِنْهَا إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ[28]".

"ہم اہلِ مغازی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ان سے ایسی کوئی روایت منقول نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ نے دو گھوڑوں کے لیے دو حصے مقرر فرمائے ہوں۔ مزید بر آں، اہلِ مغازی کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے تین گھوڑوں، السّکب، الظّرِب اور المرتجز، کے ساتھ شریک ہوئے؛ تاہم آپ ﷺ نے ان میں سے صرف ایک گھوڑے کا حصہ مقرر فرمایا"۔

اسی طرح مقامِ نطاۃ[29] میں بھی آپ ﷺ کے لیے تین حصے مقرر کیے گئے، جن میں ایک حصہ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک کے لیے اور دو حصے آپ ﷺ کے ایک گھوڑے کے لیے تھے، جو حضرت عاصم بن عدیؓ کے ساتھ تھا[30]۔

جمہور فقہاء کا موقف

امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مجاہد کو صرف ایک گھوڑے کا سہم دیا جائے گا، خواہ وہ ایک سے زائد گھوڑوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو۔ متعدد گھوڑوں کے لیے سہم کے استدلال میں پیش کی جانے والی مکحول کی روایت کے بارے میں جمہور کا موقف ہے کہ وہ تابعی کی مرسل روایت ہے، اس لیے اس مسئلے میں قوی حجت نہیں۔ اسی طرح امام اوزاعیؒ کا یہ استدلال کہ دوسرا گھوڑا سامانِ جنگ میں شمار ہوتا ہے اور اس پر اضافی اخراجات آتے ہیں، جمہور کے نزدیک مستقل سہم کے اثبات کے لیے کافی نہیں؛ کیونکہ یہی صورت تیسرے گھوڑے میں بھی پائی جاتی ہے، جبکہ امام اوزاعیؒ خود اس کے لیے الگ سہم کے قائل نہیں[31]۔

معارض روایات میں تطبیق

ان مختلف روایات میں تطبیق کی ایک اصولی صورت یہ ہے کہ مجاہد کا اصل استحقاق ایک گھوڑے پر سوار ہونے کی بنیاد پر ایک ہی حصے کا ہے، کیونکہ شرعی طور پر سہم کا تعلق اس گھوڑے سے ہے جس کے ذریعے وہ جنگ میں شریک ہوا۔ البتہ بعض مواقع پر اگر کسی مجاہد کو اس سے زائد عطا کیا گیا تو وہ اس کے اصل استحقاق کے طور پر نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے بطورِ تفضل، عطیہ یا ہبہ کے تھا۔

اس تطبیق کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمہ بن الاکوع کو، جو پیدل جنگ میں شریک تھے، ایک حصہ بطورِ استحقاق عطا فرمایا، جبکہ دوسرا حصہ اپنے خمس میں سے بطورِ عطیہ دیا[32]۔

امام شافعیؒ کے منہجِ استدلال کے اصول و خصوصیات

زیرِ بحث مثالوں سے امام شافعیؒ کے منہجِ استدلال کے متعدد اہم اصول سامنے آتے ہیں۔ آپؒ کسی فقہی مسئلے میں موجود روایات کو محض نقل ہو جانے کی بنیاد پر قبول نہیں کرتے، بلکہ ان کی سند، دلالت اور باہمی تقابل کا

جائزہ لیتے ہیں۔ اگر کسی روایت میں انقطاع یا ضعف پایا جائے تو اسے بنیادی دلیل بنانے کے بجائے دیگر مضبوط شواہد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ جب منقطع یا مقطوع روایت کے مقابل اہلِ مغازی و سیر کے ہاں کوئی مستند، معروف اور متفق علیہ واقعہ موجود ہو، خصوصاً ایسا واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل یا عملی تعامل ثابت ہو، تو اسے زیادہ قوی بنیاد کے طور پر اختیار کرتے ہیں، جبکہ کمزور روایت بطورِ تائید ذکر کی جاسکتی ہے۔

امام شافعیؒ کے منہج کی ایک اہم خصوصیت اہلِ مغازی و سیر کے ہاں کسی اہم واقعے کے عدمِ ذکر سے استدلال بھی ہے۔ تاہم محض عدمِ ذکر قطعی دلیل نہیں، بلکہ اس وقت معتبر قرینہ بن سکتا ہے جب واقعہ اہم و نمایاں ہو، اس کے پیش آنے کی صورت میں اس کے نقل کیے جانے کی توقع ہو اور اہلِ سیر نے اس سے متعلق دیگر جزئیات بیان کی ہوں۔ اس بنا پر جب عدمِ ذکر مناسب قرائن کے ساتھ عدمِ وقوع پر استدلال کے لیے معتبر ہو سکتا ہے تو کسی واقعے کا اہلِ سیر کے ہاں معروف اور عمومی طور پر منقول ہونا بطریقِ اولیٰ اس کے ثبوت کے لیے قوی قرینہ ہو گا۔

مزید بر آں، آپؒ کا طریقۂ استدلال تقابلی نوعیت کا حامل ہے۔ آپؒ پہلے مختلف فقہاء کے مواقف اور ان کے دلائل کا جائزہ لیتے، پھر اپنے اصولِ استدلال کی روشنی میں ان کو پرکھتے اور بالآخر اپنے نزدیک راجح موقف اختیار کرتے ہیں۔ زیرِ بحث مسئلے میں بھی آپؒ نے دیگر فقہاء کے مواقف و دلائل کا جائزہ لینے کے بعد اپنے اصولوں کی روشنی میں مستند واقعۂ سیرت کو ترجیحی بنیاد بنایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا منہج دلائل کی قوتِ ثبوت و دلالت، باہمی تعلق اور اصولِ استدلال کی روشنی میں راجح موقف کے تعین پر قائم ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستند اور معروف واقعاتِ سیرت فقہی استدلال میں مؤثر شواہد کی حیثیت رکھتے ہیں، خصوصاً جب ان میں عملی سنت ثابت ہو اور ان کے مقابل کوئی معتبر اختلافی روایت موجود نہ ہو۔

خلاصہ تحقیق

اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ قرآن و سنت کے فہم، نصوص کی توضیح اور شرعی احکام کے عملی اطلاق میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ امام شافعیؒ کی کتاب "الأم" میں متعدد فقہی مسائل میں اہلِ مغازی و سیر کے معروف اور متفق علیہ واقعات سے استدلال ملتا ہے، خصوصاً وہ واقعات جن میں رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل یا عملی تعامل موجود ہو۔

وارث کے لیے وصیت کی ممانعت کے مسئلے میں امام شافعیؒ نے منقطع روایت کے بجائے اہلِ مغازی کی عمومی و متفقہ نقل، بالخصوص واقعۂ فتحِ مکہ، کو بنیادی دلیل بنایا۔ زوجین کے اسلام کے مسئلے میں ابو سفیانؓ، صفوانؓ اور عکرمہؓ کے واقعات سے یہ استدلال کیا کہ عدت کے اندر دوسرے فریق کے اسلام لانے سے سابقہ نکاح برقرار رہتا

ہے۔ اسی طرح متعدد گھوڑوں کے حصصِ غنیمت کے مسئلے میں اہلِ مغازی کے معروف واقعے سے ایک گھوڑے کے حصے کے موقف کی تائید کی۔

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ بعض حالات میں اہلِ سیر کے ہاں کسی اہم واقعے کے عدمِ ذکر کو قرینۂ عدمِ وقوع قرار دیتے ہیں، جبکہ کسی واقعے کا عمومی اور متفقہ طور پر منقول ہونا اس کے ثبوت کے لیے زیادہ قوی قرینہ سمجھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مستند اور معروف واقعاتِ سیرت امام شافعیؒ کے فقہی منہج میں نصوص کے فہم، عملی تطبیق اور فقہی حکم کی تعیین کے لیے ایک مؤثر استدلالی ذریعہ ہیں۔

نتائجِ تحقیق

1۔ سیرتِ نبوی ﷺ قرآن وسنت کے فہم کا اہم ذریعہ ہے۔

2۔ واقعاتِ سیرت سے فقہی استنباط فقہاء کے ہاں معروف منہج ہے۔

3۔ امام شافعیؒ نے "الأم" میں متعدد واقعاتِ سیرت سے فقہی استدلال کیا ہے۔

4۔ اہلِ سیر کے ہاں معروف و متفق علیہ واقعات کی فقہی استدلال میں مخصوص اہمیت سامنے آتی ہے۔

حواشی

(1) دیکھیے ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، الإفریقی (المتوفی: 711ھ)۔ لسان العرب۔ بیروت: دار صادر، الثالثة، 1414ھ۔ ج4 ص389۔

2 بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی: 256ھ)۔ صحیح البخاری، عطاات العلم-1437ھ۔ کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، ج1 ص106 ح143۔

3 البقرة: 180۔

4 ابو الحسن علی بن محمد بن علی الطبری، جن کا لقب عماد الدین اور شہرت کیا ہراسی تھی، شافعی فقہ کے جلیل القدر فقیہ تھے۔ ان کا تعلق طبرستان سے تھا۔ وہ نیشاپور گئے اور وہاں امام الحرمین ابو المعالی الجوینی کے زیرِ تربیت ایک مدت تک فقہ کی تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ اس فن میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ وہ نہایت خوبصورت چہرے والے، بلند و گرج دار آواز کے مالک، فصیح اللسان، عمدہ اندازِ بیان رکھنے والے اور شیریں گفتار تھے۔ اس کے بعد وہ نیشاپور سے بیہق گئے اور کچھ عرصہ وہاں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ پھر عراق روانہ ہوئے، جہاں انہیں بغداد کی مدرسہ نظامیہ میں تدریس کا منصب سونپا گیا،

اور وہ اپنی وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔ آپ نے احکام القرآن کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ ان کی ولادت 450 ہجری میں ہوئی اور وفات 504 ہجری میں ہوئی۔ ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابراھیم بن ابی بکر ابن خلکان البرمکی الاِربلیی (المتوفی: 681ھ)۔ وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان، دار صادر- بیروت، 1900ء، ج3 ص286۔ صلاح الدین الصفدی، الوافی بالوفیات۔ ج22 ص54۔

[5] الکیاالھراسی، علی بن محمد بن علی، ابو الحسن الطبری، الملقب بعمادالدین، المعروف بالکیاالھراسی (المتوفی: 504ھ)۔ احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1405ھ۔ ج1 ص57۔

[6] البقرۃ: 240۔

[7] النساء: 7

[8] راجح قول کے مطابق منقطع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کسی بھی مقام پر منقطع ہو، خواہ انقطاع کسی بھی نوعیت کا ہو۔ البتہ اس اصطلاح کا زیادہ استعمال اس روایت کے لیے ہوتا ہے جس میں تابعی سے نچلے درجے کا کوئی راوی براہِ راست کسی صحابی سے روایت کرے، جیسے امام مالک کا عبداللہ بن عمرؓ سے براہِ راست روایت کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ منقطع وہ روایت ہے جس کی سند میں تابعی سے پہلے کسی راوی کا سقوط ہو، خواہ وہ راوی حذف کر دیا گیا ہو یا مبہم طور پر بیان کیا گیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے یہ ضعیف ہے۔ النووی، ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف (المتوفی: 676ھ)۔ التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر والنذیر، دار الکتاب العربی- بیروت، 1405ھ-1985ء۔ ص35۔

[9] ابو بکر البیہقی، احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی (المتوفی: 458ھ)۔ معرفۃ السنن و الآثار، دار قتیبہ، دمشق- بیروت، 1412ھ-1991ء۔ ج9 ص173 ح12756۔

[10] شافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ (المتوفی: 204ھ)۔ الرسالہ، مصطفی البابی الحلبی واولادہ- مصر، 1357ھ-1938ء۔ ص139-142۔

[11] ایضاً۔ ص139۔

[12] اِذْخِر ایک معروف خوشبودار پودا ہے، جو بالخصوص حجاز کے علاقے میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ خشک ہونے کے بعد اسے کوٹ یا پیس کر خوشبو اور صفائی کے لیے استعمال ہونے والے مرکبات میں شامل کیا جاتا تھا۔ الہروی، ابو سہل محمد بن علی بن محمد (المتوفی: 433ھ)۔ اسفار الفصیح، عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیۃ- المدینۃ المنورۃ، 1420ھ۔ ج2 ص650۔

[13] الواقدی، محمد بن عمر بن واقد (المتوفی: 207ھ)۔ المغازی، جامعہ آکسفورد- لندن، 1966ء، ج2 ص835-836۔

[14] الشیبانی، ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی: 189ھ)۔ الاصل لمحمد بن الحسن، دار ابن حزم، بیروت، 1433ھ-2012ء ج5 ص424۔

شافعی، الام۔ ج4 ص104۔ ابن رشد الحفید، ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد (المتوفی: 595ھ)۔ بدایۃ المجتہد ونھایۃ المقتصد، دار الحدیث- القاھرۃ، 1425ھ-2004ء، ج4 ص119۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن

محمد بن قدامہ الحنبلی(المتوفی:620ھ)۔المغنی،دار عالم الکتب لطباعۃ،الرایض-المملکۃ العربیۃ السودعیۃ،1417ھ-1997ءج8ص390۔

[15] الکیاالہراسی، أحکام القرآن للکیا الھراسي،ج1ص58۔

[16] شافعی،ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی(المتوفی:204ھ)۔الام،دارالفکر-بیروت،1410ھ-1990ء،ج7ص230۔

[17] واقدی،المغازی۔ج2ص855۔

[18] حدیثِ مرسل وہ روایت ہے جس میں تابعی کسی صحابی کا واسطہ ذکر کیے بغیر براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کرے۔جمہور محدثین،امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء واصولیین کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف ہے،جبکہ امام مالکؒ،امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر اہلِ علم اسے قابلِ احتجاج قرار دیتے ہیں۔تاہم اگر مرسل روایت کی تائید کسی دوسری معتبر سند سے ہو جائے تو وہ تقویت پا کر قابلِ استدلال ہو جاتی ہے۔البتہ مرسلِ الصحابی جمہور کے نزدیک صحیح اور قابلِ حجت ہے۔الحاکم،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیساپوری(الموفی:405ھ)۔معرفۃ علوم الحدیث،جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن-ہند،1356ھ-1937ء۔ص25۔النووی،التقریب والتیسیر،ص35۔

[19] شافعی،محمد بن ادریس،ابو عبداللہ (المتوفی:204ھ)۔مسند الشافعي - ترتیب السندي،دارالکتب العلمیہ ،بیروت-لبنان،1370ھ۔کتاب النکاح ،الباب الثالث فی ترغیب فی التزوج و ماجاء فی الخطب و مایحرم نکاحہ و غیر ذلک ،ج2ص19ح57۔ بیہقی،معرفۃ السنن والآثار،کتاب النکاح،لاینفسخ النکاح اذا اسلم احدھما باختلاف الدار حتی تنقضی عدتھا۔ج10ص141ح13983۔

[20] واقدی،المغازی۔ج2ص814-816۔

[21] موسی بن عقبہ(المتوفی:141ھ)۔،المغازی،جامعۃ ابن ظہر،المملکۃ المغربیۃ،ص278تا281۔

[22] ایضاً۔

[23] ابن رشد،بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد۔ج3ص72۔

[24] برھان الدین، محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ الحنفی(المتوفی:616ھ)۔المحیط البرھانی،دار الکتب العلمیۃ،بیروت۔لبنان،1424ھ۔2004ء،کتاب النکاح،الفصل التاسع عشر:فی نکاح الکفار،ج3ص145۔

[25] عبدالرزاق الصنعانی،ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی(المتوفی:211ھ)۔المصنف،المجلس العلمی-الھند،توزیع المکتب الاسلامی-بیروت،1403ھ-1983ء،

کتاب الجہاد،باب السہام للخیل،ج5ص187ح9324۔ بیہقی،معرفۃ السنن والآثار،کتاب قسم الفیئ والغنیمۃ،من قال:لا یسہم الا لفرس واحد،ج9ص253ح13055۔الدار قطنی،ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود بن النعمان بن دینارالبغدادی الدار قطنی(المتوفی:385ھ)۔سنن الدار قطنی،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت-لبنان،1424ھ2004ء،ج5ص184ح

[26] شافعی، مسند۔ کتاب الجہاد، ج2ص125ح410۔ بیہقی، السنن الکبری کتاب السیر، باب سہمان الخیل، ج9ص90ح17964۔

[27] حدیثِ مقطوع اس روایت کو کہتے ہیں جس میں کسی تابعی کا قول، فعل یا تقریر نقل کی گئی ہو۔ محدثین کے نزدیک یہ روایت مستقل حجت نہیں، اس لیے محض حدیثِ مقطوع سے شرعی استدلال کرنا درست نہیں۔ صبحی صالح، ابراہیم صالح (المتوفی:1407ھ)۔ علوم الحدیث و مصطلحہ، دار العلم، بیروت-لبنان، 1984ء، ج1ص209-210۔

[28] شافعی، الام۔ ج7ص362۔

[29] نَطاۃ خیبر کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے، جہاں ایک چشمہ تھا جو وہاں کے کھجور کے باغات کو سیراب کرتا تھا، اور بقول بعض لوگوں کے وہ جگہ وبائی (بیماری والی) تھی۔ الحموی، معجم البلدان۔ ج5ص291۔

[30] واقدی، المغازی۔ ج2ص688-689۔

[31] ابن القصار، ابن القصار المالکی القاضی ابو الحسن علی بن عمر البغدادی (المتوف:397ھ)۔ عیون الادلہ فی مسائل الخلاف بین فقہاء الامصار، دار اسفار-الکویت، 1443ھ-2022ء۔ ج5ص119-125۔ المرغینانی، برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الرشدانی المرغینانی (المتوفی:593ھ)۔ الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت-لبنان، 1425ھ-2004ء۔ ج2ص389۔ الکمال بن الھمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام الحنفی (المتوفی:861ھ)۔ شرح فتح القدیر علی الھدایہ، شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفی البابی بمصر، 1389-1970ء، ۔ ج5ص495-498۔

[32] مسلم، الصحیح۔ کتاب الجہاد و السیر، باب غزوۃ ذی قرد و غیرھا، ج3ص1439ح1807۔ الطیالسی، ابو داود، الطیالسی سلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی:204ھ)۔ مسند ابی داود الطیالسی دار ھجر-مصر1419ھ-1999ء، سلمۃ ابن الاقوع، ج2ص303ح1041۔

مصادر ومراجع

1. القرآن الکریم
2. شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی (المتوفی:204ھ)۔ الام، دارالفکر-بیروت، 1410ھ-1990ء۔
3. شافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ (المتوفی:204ھ)۔ الرسالہ، مصطفی البابی الحلبی واولادہ-مصر، 1357ھ-1938ء۔
4. شافعی، محمد بن ادریس، ابو عبداللہ (المتوفی:204ھ)۔ مسند الشافعي - ترتيب السندي، دارالکتب العلمیہ، بیروت-لبنان، 1370ھ۔
5. ابو بکر البیہقی، احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی (المتوفی: 458ھ)۔ معرفۃ السنن و الآثار، دار قتیبہ، دمشق-بیروت، 1412ھ-1991ء۔
6. الکیاالھراسی، علی بن محمد بن علی، ابوالحسن الطبری، الملقب بعمادالدین، المعروف بالکیاالھراسی (المتوفی:504ھ)۔ احکام القرآن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1405ھ۔
7. بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (المتوفی:256ھ)۔ صحیح البخاری، عطات العلم-1437ھ۔
8. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، أبوالفضل، الإفریقی (المتوفی:711ھ)۔ لسان العرب۔ بیروت: دار صادر، الثالثۃ، 1414ھ
9. ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابراھیم بن ابی بکر ابن خلکان البرمکی الاِربلیی (المتوفی:681ھ)۔ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، دار صاد-بیروت، 1900ء۔
10. الواقدی، محمد بن عمر بن واقد (المتوفی:207ھ)۔ المغازی، جامعہ آکسفورد-لندن، 1966ء، ج2ص835-836۔
11. الشیبانی، ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی:189ھ)۔ الاصل لمحمد بن الحسن، دار ابن حزم، بیروت، 1433ھ-2012ء۔
12. ابن رشد الحفید، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد (المتوفی:595ھ)۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، دارالحدیث-1417ھ-1997۔
13. ابن قدامہ، موفق الدینابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الحنبلی (المتوفی:620ھ)۔ المغنی، دار عالم الکتب لطباعۃ، الرایض-المملکۃ العربیۃ السودعیۃ، -القاھرۃ، 1425ھ-
14. الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیساپوری (الموفی:405ھ)۔ معرفۃ علوم الحدیث، جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن-ہند، 1356ھ-1937ء۔
15. برھان الدین، محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ الحنفی (المتوفی:616ھ)۔ المحیط البرھانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ لبنان، 1424ھ۔2004ء۔

16. عبدالرزاق الصنعانی،ابو بکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی(المتوفی:211ھ)۔المصنف،المجلس العلمی-الھند،توزیع المکتب الاسلامی-بیروت،1403ھ-1983ء۔
17. صبحی صالح،ابراہیم صالح(المتوفی:1407ھ)۔علوم الحدیث ومصطلحہ،دارالعلم،بیروت-لبنان،1984ء۔
18. الحموی،شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ(المتوفی:626ھ)۔معجم البلدان،دار صادر،بیروت،1995ء۔
19. ابن القصار،ابن القصار المالکی القاضی ابوالحسن علی بن عمر البغدادی(المتوف:397ھ)۔عیون الادلہ فی مسائل الخلاف بین فقہاء الامصار،دار اسفار-الکویت،1443ھ-2022ء۔
20. المرغینانی،برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الرشدانی المرغینانی(المتوفی:593ھ)۔الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی،دار احیاء التراث العربی،بیروت-لبنان،1425ھ-2004ء۔
21. الکمال بن الھمام،کمال الدین ،محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندریالمعروف بابن الھمام الحنفی(المتوفی:861ھ)۔شرح فتح القدیر علی الہدایہ،شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی بمصر،1389-1970ء۔
22. الطیالسی،ابو داود،الطیالسی سلیمان بن داود بن الجارود(المتوفی:204ھ)۔مسند ابی داود الطیالسی دار ھجر-مصر1419ھ-1999ء۔
23. الھروی،ابو سہل محمد بن علی بن محمد(المتوفی:433ھ)۔اسفار الفصیح،عمادۃ البحث العلمی بالجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ،1420ھ۔ج2ص650۔
24. موسی بن عقبہ(المتوفی:141ھ)۔،المغازی،جامعۃ ابن ظہر،المملکۃ المغربیۃ۔
25. النووی،ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف(المتوفی:676ھ)۔التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر والنذیر،دار الکتاب العربی-بیروت،1405ھ-1985ء۔
26. مسلم ،ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری(المتوفی:261ھ)۔ صحیح مسلم،دار احیا التراث العربی،بیروت،و غیرھا،1374ھ-1955ء۔